اسلامی تعاون کی تنظیم اکیسویں صدی میں

اُمِ اسماء*

ABSTRACT:

In the 21st Century the Muslim Ummah is confronted with grave challenges in the political, economic and ideological fields. In the International environment security demands of states keep on changing but after 9/11 immence change was noticed, when the war against international terrorism began. At face value it was an effort against violence but in the long run it turned out to be a war against the Muslim Ummah which was being targeted directly and indirectly since the last decade. In this situation Organization of Islamic Cooperation could serve as an important platform to project the image of the Muslim World at the International level.

امت کا تصور وحدت سے عبارت ہے۔اسلام کے آغاز کے ساتھ ہی لا الہ الا اللہ کی بنیاد پر امت مسلمہ کا تصور پروان چڑھنا شروع ہوا۔جس کے لیے قرآن میں ''تم وہ بہترین امت ہو جسے انسانوں کی ہدایت اور اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو''(۱) سے تعبیر کیا گیا۔اسی کی بنیاد پر مدینے میں اسلامی ریاست کی بنیاد رکھی گئی اور نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو وصیت کی ''میں تم میں دو ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں کہ میرے بعد تم جب تک انہیں تھامے رہو گے، گمراہ نہ ہو گے، کتاب اللہ او رسنت رسول اللہ۔(۲)

اسی معیارِ مطلوب کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے خلفائے راشدین نے عرب وعجم پر حکومت کی۔خلافتِ بنو امیہ، عثمانیہ و عباسیہ میں اس معیارِ مطلوب کو پسِ پشت ڈال دیا گیا جس کے باعث قبائلی ولسانی عصبیتوں کو پروان چڑھنے کا موقع ملا۔جس نے بالآخر پہلی جنگ عظیم کے خاتمے کے ساتھ ہی خلافت کے ادارے کو ختم کر دیا اور تمام مسلمان علاقے یورپی طاقتوں کے باج گزار ہو گئے۔دوسری جنگ عظیم کی تباہ کاریوں کے بعد اقوام عالم میں طاقت کے توازن کو برقرار رکھنے کے لیے ۱۹۴۵ء میں اقوام متحدہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔اس ادارے کے قیام کے بعد پوری دنیا اپنے مسائل کے حل کے لیے اس ادارے کی طرف رجوع کرنے لگی۔

۱۹۴۸ء میں جب فلسطین پر یہودیوں کے قبضے کے نتیجے میں ایک طرف اسرائیلی ریاست کا قیام عمل میں آیا تو دوسری

* ریسرچ اسکالر، شعبۂ سیاسیات، جامعہ کراچی　　برقی پتا: hayat5002@gmail.com

تاریخِ موصولہ: ۵مئی ۲۰۱۴ء

طرف برطانیہ وفرانس کی نوآبادیات کو آزادی دی گئی جس کے باعث مسلمان ریاستوں کے درمیان سرحدی اختلافات کے باعث تنازعات کی راہ ہموار ہوئی اور مسلم دنیا میں حالات کشیدہ ہوتے چلے گئے۔اس کے نتیجے میں ہونے والی جنگوں میں اقوام متحدہ غیر جانبدارانہ کردار ادا نہ کرسکی۔

جون ۱۹۶۷ء میں تیسری عرب اسرائیل جنگ میں مصر کو شکست ہوئی اور اردن کا مغربی علاقہ بشمول مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس، غزہ کی پٹی اور تیس ہزار مربع میل پر محیط صحرائے سینائی اسرائیل کے قبضے میں چلا گیا۔مصر کی شکست اور وسیع عرب سرزمین پر قبضے کے بعد یہودیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ چنانچہ ۲۱ راگست ۱۹۶۹ء کو مسجد اقصیٰ میں آگ لگانے کا سانحہ پیش آیا، جس کے باعث مسجد اقصیٰ کا کچھ حصہ شہید ہوگیا۔اس پر اقوام متحدہ کی خاموشی نے عالم اسلام میں غم وغصے کی کیفیت پیدا کردی۔اس سانحے کی بنیاد پر سعودی عرب کے فرماں روا شاہ فیصل شہید اور مراکش کے شاہ حسن نے مل کر رباط (مراکش) میں مسلمان ممالک کے سربراہان کا اجلاس طلب کیا۔جس میں مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے علیحدہ پلیٹ فارم کے قیام کا فیصلہ کیا گیا اور اسی اجلاس میں اسلامی کانفرنس کی تنظیم کی داغ بیل ڈالی گئی۔ یہ وہ دور تھا جب سرد جنگ جاری تھی اور مسلم ممالک بھی اس جنگ کا حصہ تھے لیکن اسلامی نظریے کی بنیاد نے انہیں ایک فورم پر جمع کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔

اسلامی تعاون کی تنظیم اقوام متحدہ کے بعد دوسری بڑی بین الاقوامی تنظیم ہے جس کے ارکان چار براعظموں سے تعلق رکھتے ہیں۔علاوہ ازیں یہ تنظیم مسلم اقلیتوں کے حقوق کی بھی ترجمان ہے اور عالمی سطح پر امت مسلمہ کے مفادات وتحفظ کے لیے کوشاں ہے۔اس کے پیشِ نظر ایک ایسا معاشرہ تشکیل دینا ہے جہاں لوگوں کو ان کے سیاسی، معاشی، مذہبی، ثقافتی و معاشرتی حقوق حاصل ہوں اور ریاستوں کے مابین انصاف، باہمی احترام اور دوستانہ ہمسائیگی کو فروغ دینا، جس کے نتیجے میں عالمی امن، سلامتی اور ہم آہنگی پیدا ہو(۳)۔

اپنے قیام کے بعد تنظیم کو جہاں ایک طرف فلسطین میں اسرائیلی ریاست کی صورت میں مسئلہ درپیش تھا تو دوسری طرف مقبوضہ مسلمان ریاستوں کے حل میں اقوام متحدہ کا جانبدارانہ رویہ تھا۔اس کے لیے تنظیم نے مسئلہ فلسطین کے لیے جہاد کا اعلان کیا اور جہادی سرگرمیوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔فوجی سطح پر تعاون کے لیے جنرل سیکریٹریٹ میں دفتر قائم کیا گیا جس کے ذمّہ فلسطین کی سرحد سے ملحقہ ریاستوں کو معاونت فراہم کرنا ہے۔علاوہ ازیں عالمی سطح پر اسرائیل کا بائیکاٹ اور معاشی طور پر فلسطین کو مضبوط بنانے کی پالیسی اختیار کی لیکن رکن ممالک کی داخلہ وخارجہ پالیسی نے تنظیم کی اس حکمت عملی کو ناکام بنا دیا۔بعدازاں فلسطین کے مسئلے کے حل کے لیے بھی تنظیم نے اقوام متحدہ کی قراردادوں کے نفاذ کی پالیسی اختیار کرلی جس کا مطلب یہ تھا کہ فلسطین میں اسرائیلی ریاست کو تسلیم کرلیا گیا ہے۔

دیگر مقبوضہ ریاستوں کے حوالے سے تنظیم کا رویہ اقوام متحدہ کے ساتھ تعاون کی پالیسی تک محدود رہا۔افغانستان میں روسی جارحیت کے جواب میں جہاد کا اعلان کرنے کے بجائے اس کی رکنیت معطل کردی گئی۔مسئلہ کشمیر، افریقی ریاستوں

اور وسطی ایشیائی ریاستوں کے مسائل کے حل میں تنظیم کا کردار اقوام متحدہ کی قراردادوں کے نفاذ سے بڑھ کر بوسنیا اور صومالیہ کو امداد کی فراہمی تک محدود رہا۔

اس دوران تنظیم کی جانب سے رکن ممالک کے آپس کے تنازعات میں پاکستان اور بنگلہ دیش کے معاملے میں تنظیم نے مثبت کردار ادا کیا جس کے باعث پاکستان نے دوسری اسلامی سربراہ کانفرنس میں بنگلہ دیش کو تسلیم کیا۔ایران وعراق کی جنگ میں تنظیم کی جانب سے مستقل بنیادوں پر کوششیں کی گئیں لیکن دونوں رکن ممالک قومی مفاد سے بالاتر ہو کر مسئلے کے حل میں سنجیدہ نہیں تھے۔بعد ازاں عراق و کویت کے مسئلے میں تنظیم کے عملی اقدامات نہ ہونے کے باعث بڑی طاقتوں کو اپنے ہنر دکھانے کا موقع مل گیا۔

اکیسویں صدی کا آغاز بھی امت مسلمہ کو درپیش سابقہ مسائل کے ساتھ ہی ہوا اور ان مسائل میں کوئی خاص پیش رفت ممکن نہ ہو سکی اور تنظیم کے کردار اور پالیسی میں بھی کوئی واضح تبدیلی رونما نہ ہوئی بلکہ نائن الیون کے سانحے کی آڑ میں امت مسلمہ کو نشانے پہ لے لیا گیا۔امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی پر اسلامی تعاون کی تنظیم نے مذمت کرتے ہوئے اسے اسلامی تعلیمات کے منافی قرار دیا اور تنظیم کے سیکریٹری جنرل عبدالاحد نے اپنے بیان میں کہا کہ ہم ان وحشیانہ اور مجرمانہ حملوں کی مذمت کرتے ہیں جو تمام انسانی کوششوں اور مذہبی اقدار کے خلاف ہیں (۴)۔

متعدد اخبارات نے حملوں کا ذمہ دار اسرائیل کو ٹھہرایا جبکہ مغربی وصیہونی ذرائع ابلاغ نے اس کا تعلق مسلمانوں سے جوڑا۔امریکی صدر بش نے القاعدہ اور اسامہ بن لادن کو ان حملوں کا ذمہ دار ٹھہرایا اور صدر بش نے ۲۰ ستمبر کو مشترکہ کانگریس کے سیشن میں اعلان کیا کہ ہماری جنگ دہشت گرد القاعدہ کے خلاف ہے لیکن یہ ختم نہیں ہوگی جب تک کہ عالمی سطح پر ہر دہشت گرد گروپ تک پہنچ کر اسے تباہ نہ کر دیا جائے (۵)۔

یہ امر افسوسناک تھا کہ امریکی پروپیگنڈے کا شکار عالمی برادری افغانستان کے خلاف امریکہ کی پشت پر کھڑی ہو گئی اور اسلامی تعاون کی تنظیم جو مسلمانوں کے حقوق کی ترجمانی کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے اس نے بھی امریکہ کے اس اقدام کے خلاف اپنے ایک رکن ملک افغانستان میں کارروائی کی مذمت تک نہیں کی اور تنظیم کے ایک اور رکن ملک،اسلامی جمہوریہ پاکستان نے امریکہ کی حمایت کا اعلان کرتے ہوئے افغانستان کے خلاف اسٹریٹجک پارٹنر کا کردار ادا کیا جو تنظیم کے مقصد ریاستوں کے مابین انصاف،باہمی احترام اور دوستانہ ہمسائیگی کو فروغ دینے کی خلاف ورزی تھی۔لیکن تنظیم کی جانب سے پاکستان کے اس کردار سے صرفِ نظر کرتے ہوئے وزرائے خارجہ کا ہنگامی اجلاس ۱۰/اکتوبر ۲۰۰۱ء کو طلب کیا گیا اور اس میں افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف جنگ کے ممکنہ نتائج اور معصوم شہریوں کی ہلاکت پر تشویش کا اظہار کرنے پر اکتفا کیا گیا اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے کسی بھی اسلامی یا عرب ریاست کی ہدف بندی کو مسترد کیا گیا (۶)۔

۲۰۰۲ء میں منعقدہ وزرائے خارجہ کے اجلاس میں تنظیم کا عملی منصوبہ منظور کیا گیا اور اس منصوبے کے تحت بین الاقوامی دہشت

گردی پر تیرہ رکنی کمیٹی قائم کی گئی جس کی ذمہ داریوں میں بین الاقوامی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں تنظیم کے تعاون اور رابطوں کو مضبوط بنانے کے لیے سفارشات مرتب کرنا اور اسلام اور اس کے اصولوں کی بہتر تفہیم کے لیے سیمینار اور ورکشاپس کا انعقاد کرنا تھا۔اس کے تحت دہشت گردی کی تعریف کے تعین کے لیے ۱۹۹۹ء میں اوگاڈوگا (برکینافاسو) میں منعقدہ کنونشن کا اعادہ کیا گیا جس کے مطابق دہشت گردی کا مطلب کوئی بھی ایسا عمل جو خوفزدہ کرے یا نقصان دہ ہو۔جس کا مقصد انفرادی و اجتماعی طور پر مجرمانہ منصوبہ بندی کا ہو،جس سے ان کی زندگی ،عزت،آزادی،سلامتی یا حقوق یاماحول کو عوامی یا نجی املاک پر قبضہ ہو۔قومی وسائل اور بین الاقوامی سہولیات یا کسی سیاسی اتحاد یا آزاد ریاست کی خودمختاری کو خطرہ لاحق ہو یا کوئی دھمکی ہو(۷)۔

افغانستان میں عالمی طاقتوں کے تعاون سے عبوری حکومت کا قیام عمل میں لایا گیا۔اسلامی تعاون کی تنظیم نے عبوری حکومت کو تعاون کی یقین دہانی کروائی اور جون ۲۰۰۲ء میں تنظیم نے اسلام آباد میں اپنے دفتر کو استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تاکہ افغان مہاجرین کی بحفاظت گھروں کو واپسی اور افغانستان کی تعمیر نو وبحالی میں تعاون کیا جاسکے۔

اسی دوران صدر بش نے کیمیائی ہتھیاروں کو جواز بنا کر صدام حسین کی حکومت کا فی الفور خاتمہ اور عراق پر پیشگی حملہ امریکہ کی سلامتی کے لیے ضروری قرار دیا۔عراق پر ممکنہ حملے کے پیشِ نظر امریکہ، یورپ،مصر،بحرین،ترکی اور پاکستان میں احتجاجی مظاہرے ہوئے۔اس کے باوجود ۲۰ مارچ ۲۰۰۳ء کو امریکہ نے عراق پر حملہ کردیا۔بعدازاں اسلامی تعاون کی تنظیم نے عراق پر امریکی حملے کی مذمت کرتے ہوئے اسے عراق کی سیاسی آزادی،خودمختاری،قومی اتحاد اور علاقائی سالمیت کے منافی قرار دیا۔تنظیم نے عراق کے پڑوسی ممالک کی خودمختاری اور سالمیت کی یقینی بنانے اور عراق کی تعمیر وترقی میں کردار ادا کرنے کے لیے پڑوسی ممالک کو مشورہ دیا کہ وہ اس کے لیے عملی اقدامات کریں۔اس تمام صورت حال میں تنظیم کی حکمت عملی رکن ممالک کے درمیان مختلف شعبوں میں تعاون واشتراک پر مبنی تھی۔

عراق میں امن کے قیام اور شیعہ سنی میں اتحاد کے لیے تنظیم نے ۲۰۰۶ء مکہ میں عراق کے علماء کا مشترکہ اجلاس طلب کیا۔جس میں عالمی اسلامی فقہ اکیڈمی نے مذہب اسلامی اور عدالتی پوزیشن کو واضح کیا اور اس پر مبنی شیعہ اور سنی علماء نے متفقہ دستاویز جاری کی۔

اس کے علاوہ تنظیم کی جانب سے دہشت گردی کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ منسلک کرنے کو مسترد کرتے ہوئے عالمی قوانین کی روشنی میں انسداد دہشت گردی کے لیے عالمی کوششوں میں تعاون کا اعلان کیا گیا اور اس تناظر میں معروف افراد کا کمیشن قائم کیا گیا۔جس کا مقصد اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کو درپیش چیلنجز کا سامنا کرنے کے لیے عملی منصوبے اور حکمت عملی وضع کرنا،ایسا جامع منصوبہ جو عالمی سطح پر خصوصاً اسلامی معاشروں کی پالیسیوں اور پروگرام میں روشن خیالی کے تصور کو اجاگر کرے(۸)۔اس کمیشن نے اس سے متعلق تجاویز ۲۹ مئی ۲۰۰۵ء کو اسلام آباد میں مرتب کیں۔جو ۵۔۶ ذوالقعدہ ۱۴۲۶ھ (بمطابق ۷۔۸ دسمبر ۲۰۰۵ء) مکۃ المکرّمہ میں غیر معمولی اسلامی سربراہ کانفرنس میں منظور کی گئیں۔جن کے مطابق:

☆ امت مسلمہ کے درمیان اتحاد وہم آہنگی کے حصول کے لیے قومی و نجی سطح پر شفافیت اور احتساب کو فروغ دینا۔
☆ جمہوریت کے استحکام اور انسانی حقوق کے احترام کو ممکن بنانا۔
☆ اقوام متحدہ اور دیگر تنظیموں میں اپنے کردار کو مؤثر بنانا۔
☆ مسلم اقلیتوں اور مقبوضہ مسلمان ممالک کے ساتھ تعاون کو بڑھانا۔
☆ مسلمان ممالک کا آپس کے تنازعات کو پسِ پشت ڈال کر مشترکہ حفاظتی اقدامات کرنا۔
☆ معاشی چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے تنظیم کے رکن ممالک کے درمیان معاشی تعاون کو فروغ دینا۔
☆ تجارتی واقتصادی معاہدات میں تعاون کرنا۔
☆ اقوام متحدہ، اسلامی ترقیاتی بینک، عالمی تجارتی تنظیم اور G-8 ممالک کے ساتھ تعاون کرنا۔
☆ مذہبی و تعلیمی اداروں کے نصاب میں جدت لانا۔
☆ عالمی ذرائع ابلاغ کا مقابلہ کرنے اور اسلام کا صحیح تصور پیش کرنے کے لیے مسلمان ممالک کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنا۔

علاوہ ازیں روشن خیالی واعتدال پسندی کے فروغ کے لیے پروگرام وپالیسیاں تشکیل دی گئیں۔ جن کا مقصد جمہوریت کا نفاذ، مشرق ومغرب کے درمیان بین المذاہب اور بین التہذیب مکالمے کو فروغ دینا تھا۔ خاص کر پرامن جہاد کے تصور کو پروان چڑھانا جس کے تحت معاشی جہاد، تعلیمی جہاد، دانشوارانہ جہاد، ماحولیاتی جہاد، اخلاقی جہاد، جرائم ومنشیات کے خلاف جہاد پر زور دیا گیا لیکن اس میں یہ نہیں بیان کیا گیا کہ اگر کسی رکن ملک کو فضائی بمباری اور ڈرون حملوں کا سامنا ہوگا تو وہ کونسا جہاد کریں گے؟

اس کمیشن نے اپنی رپورٹ میں اسلامی تعاون کی تنظیم میں اصلاحات اور تنظیم نو پر زور دیتے ہوئے تنظیم کے منشور پر نظر ثانی، نئے شعبہ جات کا قیام اور جنرل سیکریٹریٹ کی منتقلی کی تجویز دی۔ اس پر عملدرآمد کرتے ہوئے دوسری غیر معمولی اسلامی سربراہ کانفرنس میں دس سالہ عملی منصوبے (TYPOA) کو منظور کر کے اس کے نفاذ کا اعلان کیا گیا۔ جس میں تنظیم کے منشور اور قراردادوں کے نفاذ کو نئے وژن کی روشنی میں ممکن بنانے کی بات کی گئی ہے۔

معاشی وسائنسی میدان میں اقتصادی وسائل اور صلاحیت کو بڑھانے اور خوشحالی کے لیے اقتصادی تعاون کو فروغ دینے کے علاوہ اسلامی ترقیاتی بینک کے تعاون سے بے روزگاری کے خاتمے پر بات کی گئی ہے اور رکن ممالک کو پابند کیا گیا کہ وہ امت مسلمہ کے مشترکہ مفادات میں عالمی سطح پر تجارت کو ممکن بنانے، اقتصادی تعاون وتجارت اور سونے میں بین الاقوامی تجارت میں تعاون کی پالیسی اختیار کریں گے۔ تعلیم وثقافت میں ہر سطح پر ناخواندگی پر قابو پانے اور تعلیمی معیار کو بڑھانے کے ساتھ ساتھ نظریاتی انحراف کو دور کرنے کی ضرورت پر بھی زور دیا گیا۔

اس منصوبے پر عملدرآمد کرتے ہوئے اسلامی تعاون کی تنظیم کا اصلاحات کے ساتھ نیا منشور گیارہویں اسلامی سربراہ کانفرنس میں منظور کر کے نافذ کیا گیا۔ جنرل سیکریٹریٹ میں تنظیم کے شعبہ جات سائنس وٹیکنالوجی، اقتصادی معاملات، انفارمیشن ٹیکنالوجی، شعبہ معلومات، قانونی معاملات، خاندانی معاملات، ثقافتی ومعاشرتی معاملات قائم کیے گئے۔ اسلامی کانفرنس

کی تنظیم کا نام تبدیل کر کے اسلامی تعاون کی تنظیم رکھا گیا۔خواتین و بچوں سے متعلق پروگرام کی تجویز پر عملدرآمد کرتے ہوئے بچوں کے حقوق کی فراہمی کے حوالے سے عہد کیا گیا(۹)۔جس میں والدین پر بچوں کی ذمہ داریوں اوران کے تحفظ کی بات کی گئی اور عملی منصوبہ برائے خواتین ۲۰۰۸ء میں منظور کیا گیا جس کے تحت ترقیِ خواتین تنظیم کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اسی دوران نبی کریم ﷺ سے متعلق توہین آمیز خاکے یورپ کے چند اخبارات نے شائع کیے۔تنظیم کی جانب سے اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا گیا کہ مسلمانوں کے جذبات اس اقدام سے مجروح ہوئے ہیں۔مذہب اور مذہبی علامات کے احترام کو ممکن بنانا تمام حکومتوں کی ذمہ داری ہے۔لیکن اس کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا اور قرآن کی بے حرمتی جیسے واقعات وقوع پذیر ہوئے۔امریکہ و یورپ کے اس اقدام کو اسلامی تعاون کی تنظیم نے اسلام فوبیا کا نام دیا اور عالمی سطح پر اس کا مقابلہ کرنے اور اسلام کے صحیح تصور کو اجاگر کرنے کے لیے گفت وشنید کا راستہ اختیار کیا گیا اور اس سے متعلق مشاہداتی رپورٹ کی تیاری کی ذمہ داری اسلامی سربراہ کانفرنس کے غیر معمولی اجلاس منعقدہ ۲۰۰۵ء میں تنظیم کے سیکریٹری جنرل کے سپرد کی گئی۔اس پر اب تک سیکریٹری جنرل نے چھ مشاہداتی رپورٹ کونسل برائے وزرائے خارجہ میں پیش کی ہیں۔اس کے علاوہ اسلام کے صحیح تصور کو اجاگر کرنے کے لیے تنظیم نے اقوام متحدہ اور یورپی یونین میں اپنا مؤقف واضح کرنے کے علاوہ امریکہ، برطانیہ، فرانس اور چین کے وزرائے خارجہ سے ملاقاتیں کیں تاکہ امن کے قیام، سائنس و ٹیکنالوجی، صحت اور انسانی حقوق سے متعلقہ امور میں باہمی تعاون کو فروغ دیا جاسکے۔اس کے علاوہ عالمی کانفرنس اور سمپوزیم میں اپنے نقطۂ نظر کو پیش کیا گیا۔تنظیم کے تحت عالمی کانفرنس برائے اسلام فوبیا: قانون اور ذرائع ابلاغ کا انعقاد ۱۲ اور ۱۳ ستمبر ۲۰۱۳ء استنبول (ترکی) میں کیا گیا۔اس میں یہ باور کروایا گیا کہ اسلام فوبیا انسانی حقوق کے احترام کے تصور کے منافی ہے۔اس کانفرنس میں ذرائع ابلاغ کے اسلام دشمن پسند کردار پر بھی گفتگو کی گئی اور اس کے حل کے لیے ذرائع ابلاغ اپنے مؤقف کے لیے استعمال کرنے پر زور دیا گیا۔

عالمی ذرائع ابلاغ کا مقابلہ کرنے کے لیے اسلامی تعاون کی تنظیم کے شعبہ معلومات و ثقافتی معاملات نے برازیل میں منعقدہ ورکشاپ میں مسلمان ممالک کے ذرائع ابلاغ کو استعمال کرنے کا منصوبہ پیش کیا۔اس منصوبے پر عملدرآمد کرتے ہوئے کویت نے وقف فنڈ قائم کیا تاکہ اسلامی اقدار کو تحفظ دیا جاسکے۔اس فنڈ کی بنیاد پر کویت، سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، اردن اور جنرل سیکریٹریٹ پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی تاکہ تشہیری مہم کا آغاز کیا جاسکے۔

اس دوران فلسطین میں غزہ کی پٹی پر بھی دو دفعہ اسرائیل نے حملہ کیا اور رفحہ سے خوراک و ادویات کی فراہمی تک منقطع کردی، جس کی وجہ سے غذائی بحران پیدا ہوگیا۔ان حالات میں تنظیم کے سیکریٹری جنرل اکمل الدین احسان اوغلو نے غزہ کی پٹی کا دورہ کیا اور مالی امداد بہم پہنچائی اور رفحہ بارڈر پر مصر کی حکومت کے تعاون سے سامان ورسد کی فراہمی کا دفتر قائم کیا۔

سوڈان کے مسئلے میں بھی تنظیم کے سیکریٹری جنرل نے اکتوبر ۲۰۰۶ء کو دورہ کیا اور ۲۵۰۰۰۰ امریکی ڈالر امداد فراہم کی اور امن کے قیام اور بحالی کے لیے ۱۲۰ دیہاتوں اور ان کے رہائشیوں کی ضروریات مکمل کرنے کا اعلان کیا۔

تنظیم کی توجہ مسلم اقلیتوں کے حقوق کی بازیابی کی طرف بھی رہی جس کے لیے تنظیم کے وفد نے فلپائن، تھائی لینڈ، کمبوڈیا، ویتنام، چین، میانمار اور اراکان کا دورہ کیا اور مسلمانوں کے حوالے سے ان ممالک کی پالیسی کا جائزہ لیا گیا اور میانمار کے مسئلے پر اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل اور انسانی حقوق کی تنظیم کے کمشنر کو خط لکھا گیا اور اسلامی تعاون کی تنظیم کے دفتر میں عالمی روہنگیا سینٹر کا قیام عمل میں لایا گیا۔

اسلامی تعاون کی تنظیم ایک بڑی طاقت ہونے کی حیثیت سے اقوام متحدہ اور عالمی طاقتوں پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتی ہے لیکن عالمی سطح پر اپنے مسائل کے حل میں ناکام ہے۔اس وقت عالم اسلام گھمبیر صورت حال سے دوچار ہے۔ افغانستان اور عراق امریکی حملوں کی زد میں آکر کئی برس پیچھے جا چکے ہیں۔پاکستان، صومالیہ اور یمن کو امریکی ڈرون حملوں کا سامنا ہے۔اس کے علاوہ آج بھی خلیجی رجواڑوں اور تلواروں پر امریکہ کا فوجی قبضہ ہے۔کویت میں امریکی فوج، بحرین میں امریکی بحری بیڑا ہے اور قطر میں امریکہ کا مرکزی فوجی کمان واقع ہے۔ایک طرف سعودی عرب کو دھمکیاں دی گئیں تو دوسری طرف ایران کے ایٹمی پروگرام کے خلاف کارروائی کرنے کا عندیہ دیا گیا۔اس صورت حال میں تنظیم کا ابتدا میں یہ مؤقف تھا کہ تمام رکن ممالک کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ تحقیق کے میدان میں ترقی کریں اور پر امن مقاصد کے لیے جوہری توانائی حاصل کریں لیکن بعد ازاں تنظیم کے مؤقف میں تبدیلی رونما ہوئی اور اب وہ نیوکلیائی فری زون بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

ان حالات میں اسلامی تعاون کی تنظیم کا کردار جو اسلامی نظریے اور امت کے تشخص کی علمبردار ہے، اس کی جانب سے اکیسویں صدی میں امت کو درپیش چیلنجز کا ادراک کرتے ہوئے اس کے حل کے لیے عملی تجاویز اور ان پر عملدرآمد کے لیے سنجیدہ کوششیں خوش آئند امر ہیں۔لیکن تنظیم کی تمام تر توجہ تنظیم سازی و پالیسی سازی میں اصلاحات متعارف کروانے تک محدود ہے۔دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ میں تنظیم کی پالیسی دفاعی نوعیت پر مبنی ہے اور مسلم ممالک کے مسائل کے حل میں تنظیم کی دوغلی پالیسی خود اس کے وجود کے لیے خطرے کا باعث ہے۔لیبیا میں ناٹو کی کارروائیوں پہ خاموشی بعد ازاں لیبیا کے انتخابات کو خوش آئند قرار دینا، مصر میں جمہوری حکومت کے خاتمے اور فوج کے آمرانہ کردار پر دونوں گروہوں کو اپنے معاملات پر امن طریقے سے حل کرنے کا بیان جاری کرنا لیکن شام کے معاملے میں اس کی تنظیم کی رکنیت کی معطّلی، عرب لیگ اور اقوام متحدہ کے ساتھ تعاون اور کوفی عنان کے چھ نکاتی امن منصوبے سے اتفاق کرنا، شام کا تنظیم کی دوغلی پالیسی کو واضح کرتا ہے۔شام کے مسئلے میں تنظیم کا فعال ہونا اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ مشرقِ وسطیٰ میں دو ممالک کے درمیان اپنی طاقت منوانے کی جنگ میں تنظیم کو استعمال کیا جارہا ہے جو تنظیم مصر، تیونس اور لیبیا کی صورت حال پر خاموشی کا لبادہ اوڑھے ہوئی تھی وہ شام کے حالات پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے عالمی سطح پر اس کے حل کے لیے کوشاں نظر آتی ہے۔

اسلامی تعاون کی تنظیم کے بارے میں عمومی طور پر یہ تاثر پایا جاتا ہے کہ یہ ایک مردہ ادارہ ہے اور تنظیم کے مقاصد، پالیسیوں اور قراردادوں کے نفاذ کا بھی اگر جائزہ لیا جائے تو یہ تاثر قوی ہوجاتا ہے لیکن عملی طور پر اس کے نفاذ کی راہ میں

رکن ممالک کے قومی مفادات اور خارجہ پالیسی بہت بڑی رکاوٹ ہیں اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم اس قابل نہیں کہ وہ رکن ممالک کی خارجہ پالیسی کی تشکیل میں اہم طاقت کا کردار ادا کرے(۱۰)۔

ہر گزرتا لمحہ امت مسلمہ کے مسائل میں اضافہ کر رہا ہے۔مسلم ممالک کی آزادی وخودمختاری سوالیہ نشان بن گئی ہے۔ اس منظرنامے میں مسئلہ فلسطین وشام کے لیے تنظیم عالمی سطح پر سنجیدہ کوششیں کر رہی ہے۔فلسطین کی اقوام متحدہ میں رکنیت کی منظوری اور شام کی تنظیم میں رکنیت کی معطّلی اسی سلسلے کی کڑی ہیں لیکن کشمیر، افغانستان، عراق، وسطی ایشیائی وافریقی ریاستوں کے مسائل کے حل کے لیے ترجیحات کا تعین ہی نہیں کیا گیا ہے۔علاوہ ازیں امریکی ویورپی ممالک کے جارحانہ اقدامات کے خلاف مذاکرات ومکالمات اور اپنے نقطۂ نظر کو پیش کرنے کے علاوہ عملی اقدامات سے گریزاں ہے۔

اوآئی سی کے پلیٹ فارم سے نتیجہ خیز تعاون اسی وقت ممکن ہے جب امت کی حیثیت کو پہلی ترجیح دی جائے۔مسلم معاشرے کو نبیﷺ کے اصولوں کے مطابق تشکیل دیا جائے۔قبائلی شناخت کی بجائے امت کی حیثیت سے متعارف کروایا جائے(۱۱)۔مسلمان اپنی اسلامی شناخت، اپنے بنیادی اقدار اور امت کے اعلیٰ مفادات کی حفاظت اور اس کے اصول واقدار سے وابستگی اور طریقت سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔صرف یہی ایک صورت ہے جس میں امت انسانیت اور انسانی تہذیب کو درپیش چیلنج میں ایک اہم اور فعال کردار ادا کرنے کے لیے اٹھ کھڑی ہو(۱۲)۔

مراجع وحواشی

(۱) آل عمران ۳: ۱۱۰ (۲) حمید اللہ، ڈاکٹر (۲۰۱۳ء)، رسول اللہﷺ کی سیاسی زندگی، طبع اول، لاہور: نگارشات پبلشرز، ص ۲۹۴

(۳) Charter of OIC, Article 1, Objectives and Prionciples, Clause 6

(۴) آصف علی (۲۰۰۴ء)، ۱۱ ستمبر سے ابوغریب جیل تک اصل حقائق، طبع اول، لاہور: ادارہ منشورات اسلامی، ص ۶۰

(۵) Law, R. D. (2009), Terrorism A History, 1st Ed., UK: Polity Press, p. 334

(۶) Final Communique: The Ninth Extraordinary Session of Council of Foreign Ministers, Clause 11, Doha, 23 Rajab 1422H (10 Oct 2011)

(۷) Convention of OIC on Combating International Terrorism, Definition & General Provisions, Article 1, Ogadogo, Session of Council of Foreign Ministers, July, 1999

(۸) Resolution: 45/10-P(IS), Tenth Session of Islamic Summit Conference, Putrajaya, 16-17 October, 2003

(۹) Covenant on the Rights of the Child in Islam, OIC/0-IGGE/KRI/2004/Rep.Final

(۱۰) اختر شمیم، پروفیسر (۲۰۰۸ء)، آبنائے ہرمز میں امریکہ کا قزاقانہ اقدام ہفت روزہ ''فرائیڈے اسپیشل''، شمارہ ۱۱ تا ۱۷ جنوری، ص ۱۳

(۱۱) Al-Ahsan, A. (1988), OIC: The International Institute of Islamic Thought, USA, p.123

(۱۲) Makkah Declaration, Third Extraordinary Session of Islamic Summit Conference, Makkah, 7-8 December, 2005